والئ سوات کے قانونی حکم ناموں کا تاریخی، تعارفی و شرعی جائزہ

Legal Verdicts of Wali Swat and Sharī'ah- Was there a Connection?
A Realistic Historical Jurisprudential Approach

سیف اللہ *

لطف اللہ ثاقب **

Abstract

In every age, history witnessed a unique lego-political system in various parts of the world. Swat, being a famous part of this planet, had seen the same. The legal system of this part, at the time of Wali Swat, was based, according to some legal historian, on both religious and cultural norms – the two factors which mostly form the legal system of every civilized nation. However, some renowned experts of historical jurisprudence had a contradictory opinion. The present work aimed to find out whether the legal codes, prevailing at that time, was based on the principles of *Sharī'ah* (Islamic law) or that was based on conventional law. To investigate the issue in a critical way, *Hukam Namī* (legal verdicts) of that particular time had collected from various authentic and reliable sources. Following this, such legal verdicts were then studied in the light of Islamic law. While doing so, the work of both classical and contemporary Muslim jurists (*Fuqahā*) had resorted. The work of the *Hanafī* jurists had cited more comparatively to the work of other schools of interpretation – owing to the fact that previous had been followed by the people of this region. Finding showed that the legal verdicts of Wail Swat were mainly based on the principles of *Sharī'ah*. However, cultural norms and traditions had also been inculcated in the legal spectrum of that time- though to very little extent. Content analysis technique, one of the most important research tools in qualitative research, had been followed for the investigation of the issue.

Keywords: Wali Swat, Legal, Law, Islamic Law, *Hukam Namī, Sharī'ah,* Muslim Jurists, Legal Verdicts**.**

---

* سبجیکٹ اسپیشلسٹ، شعبہ علوم اسلامیہ، جی ایچ ایس ایس شور، سوات۔

** ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ لاء اینڈ شریعہ، سوات یونیورسٹی، سوات۔

تعارف

سوات کی تاریخ برصغیر کی تاریخ کا حصہ ہے اور اس جتنی پرانی ہے۔ البتہ اس خطہ کی صحیح مرقوم تاریخ کا آغاز سکندر اعظم کے فتوحات سے ہوتا ہے۔ اس نے جب ایران فتح کیا تو کابل سے ہوتا ہوا کنڑ کے راستے ۳۲۰ قبل مسیح میں سوات میں داخل ہوا اور یہاں کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں جن میں " ارنس " اور " اورا " زیادہ مشہور تھیں، کے ساتھ معرکہ آرائیاں شروع کیں۔ یہاں کے باشندے بڑی جرات و بہادری سے نبرد آزما ہوئے لیکن بالآخر یونانی (Greek) فوج کے زیادہ منظم اور تربیت یافتہ ہونے اور جدید سامان حرب سے لیس ہونے کی وجہ سے بالآخر شکست کھاگئے۔[1]

سوات تخلیقی لحاظ سے قدرت کے خالقانہ کمال کا شاہکار ہے۔اس خطے کی تاریخ ڈھائی ہزار (۲۵۰۰) سال قدیم ہے۔بدھ مت کی قدیم کتابوں میں سوات کا تذکرہ موجود ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سوات بدھ مت مذھب کا ایک مقدس مقام تھا۔ اور یہ حسین وطن دُنیا کی بہت سے اقوام کا وطن و مسکن رہا ہے۔وادئ سوات حسن وجمال کے ساتھ ساتھ تاریخی اعتبار سے بھی بڑی اہمیت کی حامل ہے۔یہ وادی جغرافیائی (Geographically) اہمیت کی وجہ سے بیرونی حملہ آوروں کا شکار رہی ہے۔ تاہم تاریخ گواہ ہے کہ یہاں کے رہنے والوں نے ہر دور میں غلامی کی زندگی پر موت کو ترجیح دی ہے اور کبھی بھی کسی کے زیر نگین رہنا قبول نہیں کیا۔ اس مردم خیز سرزمین نے بہت سی قابل اور تاریخ ساز شخصیات کو جنم دیا ہے جو اپنے غیر معمولی کارناموں کی وجہ سے تاریخ کے اوراق میں آج بھی زندہ جاوید ہیں۔[2]

سوات میں اسلام کی آمد کی سعادت محمود غزنوی کو حاصل ہوئی۔ خلیفۂ سوم حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں خراسان فتح ہوا مگر سوات، دیر، چترال اور کوہستان دائرہ اسلام میں شامل نہ ہوئے۔اس خطے میں جب محمود غزنوی گیارھویں صدی میں باجوڑ کے راستے سے سوات پر حملہ آور ہوئے اور راجہ گیرا کو جو کہ اس خطے میں آخری غیر مسلم حکمران تھا، اس کو شکست دی۔ جس سے زمام سلطنت مسلمانوں کے ہاتھوں کو منتقل ہوئی۔

[1] عبدالقیوم بلالہ، حافظ خیل، **داستان سوات**،(کبل: جان کتاب کور، سن اشاعت، ۲۰۱۰ء)، ۳

[2] سر نزیب خان سواتی، **تاریخ ریاست سوات**،(مینگورہ: شعیب سنز، سن اشاعت، ۲۰۲۰ء)، ۲۱

فتح کے بعد بدھ مت والے (Buddhist) بعض تو کوہستان چلے گئے اور بعض نے اسلام قبول کیا۔ ۱۴۰۰ء تک سوات میں دلازاک اور سواتی یکجا آباد تھے۔ پھر اختلافات کے بعد دلازاک کو ملک بدر کیا گیا۔[3]

سوات میں افراتفری کا عالم تھا۔ یہاں کوئی حکمران نہیں تھا۔ مقامی لوگوں کی بے اتفاقی کی وجہ سے نواب دیر نے حملہ کر کے دریائے سوات کی دائیں جانب والے حصہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ لوٹ مار کا بازار گرم تھا۔ اس دوران سنڈاکئی بابا[4] سوات آئے۔ انہوں نے سوات کی سیاست اور امن امان میں اہم کردار ادا کیا۔ یہاں کے لوگ باہمی جنگ و جدل اور معمولی سی باتوں پر خونریز فسادات اور دائمی عداوتوں سے لوگ نالاں ہو چکے تھے۔ اس لئے وہ امن و سکون سے زندگی گزارنا چاہتے تھے۔ انہوں نے آپس میں مصالحت (Compromise) قائم کرنے کے لئے سید عبدالجبار شاہ کو ۱۹۱۴ء میں حکمرانی کی دعوت دی لیکن انہوں نے اس کو رد کر دیا۔ آخر کار ۲۴ اپریل ۱۹۱۵ء کو سنڈاکئی بابا کے اصرار پر ان کو خلافت کی کرسی پر بٹھایا گیا۔ انہوں نے اپنے مدبرانہ شخصیت اور حکومت کے تجربہ رکھنے کی وجہ سے انتہائی خوش اسلوبی سے حکومت کو چلایا۔ لیکن کچھ ہی دنوں کے بعد ان کے خلاف مذہب کے نام پر سازش کر کے ان پر قادیانیت کا الزام لگایا گیا۔ جس کی وجہ سے ۱۹۱۴ء کو آپ نے استعفی دے کر واپس ستانہ تشریف لے گئے۔[5]

سید عبدالجبار شاہ کی رخصت کے بعد حالات پھر خراب سے خراب تر ہو گئے۔ اور مختلف اطراف سے خاص کر نواب دیر کی طرف سے یلغار شروع ہو چکا تھا۔ اس دوران سنڈاکئی بابا کے مشورے سے لوگوں نے متفقہ طور پر ۱۹۱۵ء میں میاں گل عبدالودود المعروف بہ بادشاہ صاحب کو دستارِ والیت زیب تن کیا۔ بادشاہ صاحب نے زمامِ حکومت کو اپنے ہاتھوں میں لیتے ہی تمام مشکلات کو اصلی اور حقیقی روپ میں دیکھ لیا۔ ایک طرف بادشاہ صاحب

---

[3] خلیل الرحمن، **"فتاوی ودودیہ کی تخریج و تحقیق"** ایم فل مقالہ، ۵

[4] آپ کا نام ولی احمد بن عبدالحمید ہے۔ آپ ۱۸۳۱ء کو دریائے سندھ کے کنارے ایک گاؤں برکلے میں پیدا ہوئے۔ آپ کی والدہ بچپن میں فوت ہوئی تھی۔ سوتیلی ماں کی ناروا سلوک کی وجہ سے بچپن ہی میں گھر سے چلے گئے۔ کچھ عرصہ کے بعد دارالعلوم دیوبند جا کر تحصیل علم کیا۔ بعد ازاں حج کر کے واپس سوات آئے یہاں سے رسومات کا خاتمہ کیا۔ بادشاہ صاحب نے اپنے دور میں ۱۹۲۰ء میں جلاوطن کر دیا۔ وہ دیر چلے گئے اور وہاں کوہان نامی گاؤں میں رہنے لگے۔ اور وہاں ۶ فروری ۱۹۲۷ء کو وفات پائی۔ (فضل محمود روخان، **کچھ سنڈاکئی بابا کے بارے میں**، http://morningpost.pk 30-09-2020)

[5] عبدالقیوم بلالہ، حافظ خیل، **داستان سوات**، ۲۴

بذات خود ہر فیصلے میں تقاضائے شریعت پورا کرنے کا متمنی تھا اور اس کے ساتھ ساتھ پختونوں کی جبلت میں بھی اسلام اور نفاذِ شریعت کی آرزو کوٹ کوٹ کر گوندھی گئی تھی۔ جب کہ دوسری طرف سوات ایک عام رواجِ جہالت (Custom of Ignorance) کا شکار تھا۔ نئی نویلی حکومت تھی۔ حالات بہت نازک تھے۔ عرصۂ دراز سے حکومتی قوانین سے آزاد لوگوں کو نظام کی زنجیر میں جکڑنا اور بعض سرکش اور بغاوت پر تلے ہوئے عناصر سے حالات کے مطابق مصالحت کرنا اور اڑوس پڑوس کے نوابوں کی طرف سے نئے نئے خطرات کے ساتھ نمٹنا، کسی کمزور حوصلے والے شخص کا کام نہ تھا۔ اس لئے اسی صورت حال میں مکمل شریعت کے نظام کا نفاذ اگر ناممکن نہیں تو محال ضرور تھا۔ ان حالات میں آپ نے عدالتوں میں اجرائے شریعت محمدی کیا اور تین قضاۃ پر مشتمل ایک کمیشن بنایا جو ہر وقت آپ کی مصاحبت میں موجود رہتا تھا۔ جس کی وجہ سے مشکل ترین تنازعہ کا بھی پوری تفتیش کے بعد ایک ہفتہ کے اندر اندر فیصلہ ہوجاتا۔ البتہ فوجداری (Criminal) کے متعلق زیادہ تر فیصلے شریعت کے خلاف مشیروں اور وزیروں کی مشاورت سے طے کئے جاتے تھے۔ یہ بات یقینی ہے کہ یہاں پر مکمل اسلامی نظام نافذ نہیں تھا کیونکہ بیٹی اور بہن کو میراث سے محروم رکھا جاتا تھا اور اس کے لئے کوئی قانون اور ضابطہ نہیں تھا۔ اسی طرح چوری اور قتل کی سزا کے لئے بھی ذہنی طور پر کوئی بھی تیار نہیں تھا۔ لیکن پھر بھی یہ فیصلے پاکستان کی عدالتوں کی طرح نہیں ٹالے جاتے تھے کہ سالوں تک حل نہ ہوں۔ بلکہ جب بھی کوئی تنازعہ پیش آتا تو معاملہ فوراً ختم ہوجاتا۔ ریاست کے دوران اولاً گواہوں کو مکمل تحفظ فراہم کیا جاتا تھا۔ اس لئے کوئی گواہ کبھی گواہی دینے سے نہیں کتراتا تھا۔ ثانیاً عدالت کی کرسی پر بیٹھنے والے بھی علاقے کے اپنے لوگ ہوتے تھے جس کی وجہ سے وہ معاملات کے حالات سے بخوبی واقف ہوتا تھا۔ اس لئے حق حقدار کو ملتا تھا اور خوب امن وامان قائم تھا۔ [6]

ریاست سوات دو ادوار پر مشتمل ہے۔ پہلا دور بادشاہ صاحب [7] کا ہے جو ۱۹۱۵ء سے لے کر ۱۹۴۹ء تک ہے۔ دوسرا دور اس کے بیٹے ولی عہد صاحب کا ہے جو ۱۹۴۹ء سے لے کر ۱۹۶۹ء ریاست سوات کے پاکستان میں ادغام (Merge) تک ہے۔

---

[6] عبدالقیوم بلالہ، حافظ خیل، **داستان سوات، ۴۳**

[7] بادشاہ صاحب کا اپنا پورا نام میاں گل عبدالودود بن میاں گل عبدالخالق بن سید عبدالغفور المعروف بہ سیدو بابا علیہ الرحمۃ ہے۔ آپ ۱۸۸۳ء میں پیدا ہوئے۔ آپ ۱۹۱۵ء سے لے کر ۱۹۴۹ء تک ریاست سوات کے حکمران رہے، یکم اکتوبر ۱۹۷۱ء کو وفات پائی اور وصیت کے مطابق آپ کو عقبہ سیدو شریف میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ (خلیل الرحمن، **"فتاوی ودودیہ کی تخریج و تحقیق"**، ۷)

بادشاہ صاحب نے عجیب انداز سے شرعی قوانین کو علاقائی جرگے کے طریقہ پر نافذ کیا۔ آپ نے بسا اوقات لوگوں کو اختیار دیا کہ وہ شرعی اور رواجی قوانین میں سے جس کے مطابق چاہے فیصلے کروائیں۔ کیونکہ اردگرد تو انگریزوں کی حکومت تھی اور ان کے سامنے اسلامی قانون کا نفاذ شیر کے منہ میں ہاتھ ڈالنے کی مانند تھا۔ بادشاہ صاحب کی دانائی کی سب سے بڑی بات یہ تھی کہ انھوں نے ایک قانون بنایا اور اس پر بلا تخصیص عمل کرنے کی تاکید کی۔ جن میں سے چند حکم نامے مشت نمونہ خروارے درج ذیل ہیں:

۱۔ قتل کے بدلے قتل

۲۔ زنا(Adultery)کے بدلے قتل

۳۔ ڈاکہ(Plundering) اور رہزنی پر قتل

۴۔ جس علاقے میں قتل، چوری اور ڈاکہ وغیرہ۔ الغرض غیر اخلاقی اور ملکی قانون کے خلاف کوئی کام کیا جاتا تو سارے علاقے پر لازم تھا کہ مجرم کو متعلقہ وقت میں حاضر کریں۔ ورنہ علاقے کے سارے عوام ذمہ دار ہوتے اور سب کو جرمانہ ادا کرنا پڑتا۔ اور علاقے میں جو صوبیدار وغیرہ سرکاری اہلکار ہوتے۔ ایسی صورت میں ان کو فوراً نوکری سے برخاست کر دیا جاتا تھا۔ وغیرہ وغیرہ

اس کا فائدہ یہ ہوا کہ ۵۴ سالہ دورِ حکومت میں تمام ریاست میں صرف ۲۴ قتل ہوئے۔ جس میں صرف ۶ ریاستِ سوات میں جب کہ ۱۸ کوہستان میں ہوئے۔

آپ کے بعد آپ کے بیٹے والئی صاحب[8] یا ولی عہد صاحب المعروف بہ والئی سوات کے دورِ حکومت میں بعض جرائم کے جرمانے اس شرح سے وصول کیے جاتے تھے۔

۱۔ ارتکاب زنا: ۵۰۰ روپے (صرف مردوں سے وصول کیا جاتا تھا۔)

---

[8] میاں گل عبد الحق المعروف بہ والئی سوات بن میاں گل عبد الودود المعروف بہ بادشاہ صاحب بن میاں گل عبد الخالق بن میاں گل عبد الغفور المعروف بہ حضرت اخوند صاحبؒ، ولادت: ۱۹۰۸ء، اسلامیہ کالج پشاور سے تعلیم حاصل کی، ۱۹۲۶ء میں ایف اے کا امتحان پاس کر کے واپس سوات آئے، اور صرف ۱۵ سال کی عمر میں ولی عہد بن گئے، ۱۲ دسمبر ۱۹۴۹ء کو حکمران سوات بن گئے، ۱۹۵۱ء میں اعزازی طور پر پاکستانی فوج میں بریگیڈیئر، جب کہ ۱۹۵۵ء میں میجر جنرل کے عہدے سے نوازے گئے۔ ۱۵ اگست ۱۹۶۹ء ریاست سوات کے پاکستان میں ضم ہونے کے بعد حکمرانی سے دست بردار ہوئے، آپ نے ۱۴ ستمبر ۱۹۸۷ء کو وفات پائی، اور سیدو شریف میں دفن ہوئے۔ (خلیل الرحمن، **"فتاوی ودودیہ کی تخریج و تحقیق"** (ایم فل مقالہ: علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد، ۲۰۱۸ء)، ۵،

۲۔ کسی پر گولی چلانے کا جرمانہ ۲۰۰ روپے۔
۳۔ کسی کے مکان میں نقب زنی ۲۰۰ روپے۔
۴۔ لواطت (Sodomy) ۲۰۰ روپے صرف فاعل سے۔

یہ ایک تعارفی مقالہ ہے۔ اس لئے اس میں اختصار کے ساتھ ریاست سوات، حکمرانانِ سوات اور ان کے حکم ناموں کا تذکرہ ہے۔ ریاستِ سوات کی تاریخ، اس کے حکمرانان کے مفصل سوانح حیات (Biography) اور ان کے حکم ناموں کے متعلق بیسیوں کتب اور مقالہ جات لکھے گئے ہیں۔ جن میں سے کچھ کا حواشی میں حوالہ دیا گیا ہے۔

منہجِ تحقیق: (Research Methodology)

اس تحقیقی کام کو انجام دینے کے لئے مختلف ذرائع سے استفادہ کیا گیا ہے۔ جن میں قرآن، حدیث، فتاوی جات اور فقہ کے خاص طور پر فقہ حنفی کے اصلی اور قانونی مصادر (Sources) سے استفادہ کی ہر ممکن کوشش کی گئی ہے جن میں "کتاب الخراج" امام ابو یوسف، "رد المحتار" امام ابن عابدین شامی، "در المختار" امام حصکفی، "فتاوی قاضی خان" قاضی خان، "المجلہ" لجنۃ العلماء، وغیرہ سر فہرست ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ ریاستِ سوات اور اس کے حکمرانوں کے متعلق لکھی گئی کتب، جن میں "تاریخ ریاست سوات" محمد آصف خان، "تاریخ ریاست سوات" ڈاکٹر سلطان روم، "داستانِ سوات" حافظ عبد القیوم بلالہ، "تاریخ ریاستِ سوات" سرنزیب خان سواتی وغیرہ کافی شہرت پا چکی ہیں۔ اسی طرح مقالہ جات، جس میں مولوی خلیل الرحمٰن صاحب کے ایم فل کے مقالہ "فتاوی ودودیہ کی تخریج و تحقیق" کا مقدمہ بھی اس سلسلے کی ایک بے نظیر کاوش ہے۔ ان کے علاوہ اخبارات، وغیرہ بھی زیرِ مطالعہ رہے ہیں اور اس کے لیے شکاگو طرزِ تحریر کو اپنایا جائے گا جس میں حواشی ہر صفحہ کے ذیلی حاشیوں میں درج کیے جائیں گے۔

سوات کی تاریخی شرعی حیثیت: (The Legal History of Swat)

ریاستِ سوات تاریخی اعتبار سے بھی بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ خاص طور پر بدھ مت کی تاریخ میں اس کو غیر معمولی شہرت حاصل ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے ۳۲۶ سال پہلے سکندر اعظم نے یونان (Greece) سے اپنی افواج کو لے کر ایران سے ہوتے ہوئے براستہ کابل، کنڑ اور باجوڑ سوات آئے تھے۔ اس زمانے میں سوات میں بدھ مت بادشاہ آرنس راجہ بر سرِ اقتدار تھا۔ بادشاہ کی وجہ سے اہلِ سوات کا مذہب

بھی بدھ مت تھا۔ سکندرِ اعظم نے ان سے منگلور کے مقام پر مقابلہ کیا اور جنگ جیت کر سوات کے اونچے اونچے پہاڑوں اور حسین وادیوں سے ہوتے ہوئے دریائے کابل کو عبور کر کے پنجاب میں داخل ہوئے۔ [9]

۳۰۴ قبل مسیح میں سکندر اعظم کے ایک فوجی جرنیل سیلوکس نے ہندوستان پر حملہ کیا اور سوات اور اس کے متعلقات کو ہندوستان کے راجہ چندر گپت کے حوالے کیا جنہوں نے عوام کو پوری پوری مذہبی آزادی دی۔ [10]

حضرت عیسیٰ کی ولادت کے ۴۵ سال بعد یہ وادی بدھ مت بادشاہ راجہ کنشک کی بادشاہت کا حصہ تھی۔ اس کا دارالخلافہ پشاور تھا لیکن سوات اور بونیر میں بھی اس کے عقیدت مند موجود تھے۔ وہ آرام اور سیر و تفریح کے لئے سوات آتا تھا۔ سوات اس دور میں آباد اور خوشحال تھا۔ کنشک کے بعد بدھ مذہب کے راجاؤں میں رام راجہ ایک معروف شخصیت تھی۔ جس کا صدرِ مقام خدوخیل تھا۔ رام راجہ کی وفات کے بعد وراٹھ کی بادشاہی اور اسکے بعد راجہ بیٹی کی حکومت تھی۔

غیر مسلم حکمرانوں میں آخری حکمران راجہ گیرا تھا جنہوں نے 11 ویں صدی میں سوات میں اپنی حکومت قائم کی تھی۔ ان کی حکومت کے قلعوں کے آثار اب بھی ھوڈیگرام (اوڈیگرام) نامی گاؤں میں موجود ہیں۔ [11]

ریاستِ سوات میں شرعی قوانین کی آمد کے اسباب: (Reasons for the Inculcation of Islamic Laws in Swat)

گیارھویں صدی کے اوائل میں سلطان محمودِ غزنوی باجوڑ کے راستے اپنی افواج کو لے کر یہاں حملہ آور ہوئے اور دریائے سوات کے دائیں کنارے پیش قدمی کر کے ادین زئی، شموزئی کو فتح کیا۔ تب یہاں پر انہوں نے اپنی فوج کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک حصہ کی قیادت خواجہ آیاز کو سونپی۔ اور ان کو نیک پی خیل اور اپر سوات کو فتح کرنے کے لئے بھیج دیا۔ جب کہ دوسرے حصے کی قیادت اپنی فوج کے سپہ سالار پیر خوشحال کی معیت میں خود کی۔ دونوں مل کر جنوبی سوات پر حملہ آور ہوئے ۔ چونکہ یہاں پر راجہ گیرا کا قلعہ پہاڑ کی چوٹی پر فوجی نقطہ نظر (Point of View) سے بہت مضبوط اور محفوظ انداز میں تعمیر کیا گیا تھا اور اس کی دفاعی تدابیر بھی بڑی احتیاط سے کی گئی تھیں۔ اس لئے اس کا فتح کرنا آسان کام نہیں تھا۔ اس قلعے کے لئے آب رسانی کا انتظام مٹی کے

---

[9] سرنزیب خان سواتی، **تاریخ ریاست سوات**، ۲۱

[10] خلیل الرحمن، **"فتاوی ودودیہ کی تخریج و تحقیق"**، ۴

[11] سرنزیب خان سواتی، **تاریخ ریاست سوات**، ۲۲

پکے ہوئے زمین دوز نلوں کے ذریعے کیا گیا تھا۔ اس لئے پیر خوشحال نے پانی کا زمین دوز نل کاٹا۔ اور تین دن تک اس قلعہ کا محاصرہ کیا۔ آخر کار راجہ گیرا کی فوج تنگ آکر قلعے سے باہر آگئی اور گھمسان کی لڑائی شروع ہوگئی۔ اس لڑائی میں راجہ گیرا متعدد ساتھیوں سمیت ہلاک ہوگیا۔ جب کہ پیر خوشحال نے کئی ساتھیوں سمیت جامِ شہادت نوش فرمائی۔ لیکن ایسے مضبوط قلعے کو فتح کیا جس کی تسخیر موجودہ زمانے میں بھی ناممکن سمجھی جاتی ہے۔ راجہ گیرا کی شکست اور ہلاکت کے بعد کچھ لوگوں نے اسلام قبول کرکے یہاں رہنے لگے اور جن لوگوں نے اسلام قبول نہیں کیا وہ کوہستان کے علاقے کو فرار ہوگئے۔ محمود غزنوی کی لشکر میں افغان قوم کے دو قبیلے سواتی اور دلہ زاک بھی شامل تھے اس لئے انہوں نے اپنی واپسی کے وقت اس نو مسخر علاقے کو سنبھالنے کے لئے ان دو قبیلوں دلازاک اور سواتی کو یہاں آباد کیا۔ اور یوں سوات میں زمامِ سلطنت مسلمانوں کے ہاتھوں کو منتقل ہوگئی اور اس خطے میں اسلام کی آمد میں ہوئی ۔[12] عملاً یہ لوگ افغانستان اور ہندوستان میں قائم ہونے والے مسلم حکومتوں کے اثر و رسوخ (Influence) سے آزاد رہے۔ یہ دونوں قبائل ۴۰۰ سال تک یہاں آباد تھے لیکن ان کے بارے میں معلومات کسی مؤرخ نے زیرِ قلم نہیں لائے۔ پھر ان کے آپس میں معرکے ہوتے رہے جس کی وجہ سے دلہ زاک مردان اور پشاور میں جاکر آباد ہوئے۔

۱۴۰۰ عیسوی میں یوسف زئی مردان کے علاقے میں آباد ہوئے تھے لیکن سوات کی تاریخ میں سولہویں صدی عیسوی ہی ایک فیصلہ کن (Decisive) تبدیلی لائی۔ اس وقت سوات سواتی پختونوں کے قبضے میں تھا اور سلطان اویس ان کا حکمران تھا۔ یوسف زئی رفتہ رفتہ سوات پر قبضہ کرنے کے عزائم رکھتے تھے اور آخر کار ۱۵۱۵ء میں سوات کے بادشاہ سلطان اویس کو تخت سے معزول کرکے سوات کے پُرانے باشندوں کو مانسہرہ، ہزارہ چلے جانے پر مجبور کر دیا گیا۔

جب یوسفزئی نے سوات پر قبضہ کرلیا تو اب انہوں نے اپنے مستقبل کے مسائل کی طرف توجہ دیا۔ ان میں سب سے اہم اور سرِ فہرست تقسیمِ اراضی کا مسئلہ تھا۔ ۱۵۳۰ء میں شیخ ملی بابا نے اس کام آغاز کر دیا۔ یہ تقسیم انتہائی خوش اسلوبی کے ساتھ خاندان کے کنبے کے اعتبار سے پایۂ تکمیل تک پہنچ گیا۔ ہر بیس سال کے بعد آبادی میں اضافے کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے رواج کے مطابق نئی تقسیم ہوتی رہی۔[13]

---

[12] عبدالقیوم بلالہ حافظ خیل، **داستان سوات**، ۲۵

[13] عبدالقیوم بلالہ حافظ خیل، **داستان سوات**، ۱۱

اس کے بعد سوات پر مختلف اطراف اور حکمرانوں کی طرف سے حملے ہوتے رہے۔ اس سلسلے میں جلال الدین اکبر بادشاہ ۱۵۵۶ء میں جب تخت نشین ہوا تو ۱۵۸۵ء میں انہوں نے زین خان کی قیادت میں اپنے لشکر کو سوات پر حملہ آور کیا لیکن ۱۵۹۲ء تک ان کو کوئی حقیقی اور دیرپا فتح حاصل نہیں ہوئی۔ پھر بایزید الانصاری المعروف بہ پیرروشن کا دور چلا جس کے اثرات راجہ ٹوڈرمل نے ختم کئے اور عارضی طور سوات اور بونیر اکبر بادشاہ کی حکومت کا حصہ بنے۔ اس دور میں عوام کے عقائد (Faiths) اپنے حکمران ہی کی طرح خراب تھے۔ دریں اثناء سید علی شاہ ترمذیؒ المعروف بہ پیر باباؒ اور علامہ عبد الرشید المعروف بہ اخوند درویزہ باباؒ نے منگورہ کے مقام پر پیرروشن سے مناظرے کئے بالآخر وہ تیراہ چلے گئے۔ جہاں انہوں نے ۱۵۸۶ء میں وفات پائی۔ ان حالات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اکبر بادشاہ اور اس کے بعد جہانگیر اور عالمگیر وغیرہ نے سوات کو پھولوں کا سیج سمجھ کر اپنانے کے لئے حملے کئے لیکن ہر ایک کو منہ کی کھانی پڑی۔ [14] ۱۶۶۷ء میں سوات میں یوسف زئی مغلوں سے برسرِپیکار اپنے بھائیوں کی مدد کے لئے نیچے میدانی علاقوں میں آئے۔ اس کے جواب میں مغل سپہ سالار سوات میں داخل ہوا اور ایک گاؤں کو تاراج کرکے جلد ہی واپس لوٹ گیا۔ سواتی یوسف زئی نہ صرف مغل عہدِ حکومت میں اپنی آزادی برقرار رکھنے میں کامیاب ہوئے۔ بلکہ درانیوں اور سکھوں کے ہاتھوں بھی ان کو کچھ خاص نقصان نہیں پہنچا۔ [15]

سوات میں شرعی حکومت کا قیام: (Establishment of Islamic Government in Swat)

پوری دنیا میں پٹھان ہی ایسی قوم ہے جو بحیثیت مجموعی مسلمان ہے۔ یعنی یہ تصور ہی نہیں کیا جاسکتا کہ کوئی شخص پٹھان ہو لیکن مسلمان نہ ہو۔ بلکہ ہندو، عیسائی، یہودی یا آتش پرست (Zoroaster) ہو۔ اگر کوئی شخص اپنے اسلامی عقیدہ کو چھوڑ بھی دے تو وہ اپنی نسبت اس نئے عقیدے کی طرف کر بھی نہیں سکتا۔ اگر کرلے تو وہ اسی معاشرے میں رہنے کا قابل نہیں رہتا۔ [16]

سوات میں شرعی حکومت کے قیام کے لئے ان گنت کاوشیں کی گئیں ہیں جن میں سوات کے لوگوں نے ہر وقت بھرپور جدوجہد کی ہے لیکن مستقل طور یہ کاوش کبھی کامیاب نہیں ہوئی۔ اس سلسلے میں احمد شاہ ابدالی کی حکومت سرفہرست ہے۔ ان کی حکومت میں یوسفزئی شامل تھے اور تمام پٹھان قبائل نے ان کو اپنا رہنما اور حکمران

---

14 نفس مصدر، ۱۲

15 سلطان روم، **ریاست سوات**، (مینگورہ: شعیب سنز، سن اشاعت، ۲۰۱۸ء)، ۳۷

16 سرنزیب خان سواتی، **تاریخ ریاست سوات**، ۶۳

تسلیم کیا تھا۔ ان کی حکومت میں تمام پٹھان اتفاق و اتحاد سے رہنے لگے۔ لیکن ان کی وفات کے بعد اسلامی نظام کا خاتمہ ہوا اور پٹھان آپس میں اختلافات کا شکار ہونے لگے۔ ان اختلافات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سکھوں نے پٹھانوں کے اہم علاقے پشاور پر قبضہ کر لیا۔ یوسفزئی نے سید احمد شہید رحمہ اللہ کی قیادت میں سکھوں کو شکست دی۔ جب اپریل ۱۸۲۷ء میں سید احمد شہیدؒ جہادی سرگرمیوں میں سوات آئے تو یوسفزئی نے ان کا شاہانہ استقبال کیا۔ لیکن کچھ خود غرض لوگوں کی وجہ سے ان کے آپس میں اختلافات پیدا ہوگئے اور ۱۸۲۹ء جنوری کو یہاں سے واپس ہوئے [17]۔ سید احمد شہید رحمہ اللہ کے چلے جانے کے بعد یوسفزئی پھر اختلافات کا شکار ہوگئے جس کی وجہ سے انگریز بھی ان کی دہلیز پر قدم رکھنے کے متمنی ہوئے۔ یوسفزئی نے ہر محاذ پر ان کا مقابلہ کیا اور کسی بھی صورت میں ان کے قدم سوات میں جمنے نہیں دیئے۔ یوسفزئی نے اپنی آزادی بر قرار رکھنے کے لئے آپس میں جرگے منعقد کئے۔ یہاں تک کہ ۱۸۴۷ء میں ایک باقاعدہ حکومت کا قیام زیر غور آیا جس کی قیادت کے لئے ایک نیک سیرت اور صاحبِ بصیرت ثالث(Arbitrator) کی ضرورت محسوس کی گئی ۔اکثر لوگوں نے اس کے لئے میاں گل عبد الغفور[18] المعروف بہ سیدو باباکا نام تجویز کیا لیکن انہوں نے اس بارِ گراں کو کندھا دینے سے خود پہلو تہی کی اور امارت سنبھالنے کے لئے ایک دوسرے نیک سیرت عالم وفاضل سید اکبر شاہ کو سوات لے آنے کا فیصلہ کر لیا۔ ۱۸۴۹ء کو اس کے سر پر دستارِ سیادت (leadership) رکھا گیا۔ ان کا دارالخلافہ غالیگے قرار دیا گیا۔[19] اس نیک سیرت اور مدبر شخص نے مقامی لوگوں سے مجبوری کے باوجود ایسا شرعی نظام قائم کیا جس سے قوم کے دلوں کو سکون اور راحت نصیب ہوئی۔ لیکن یوسفزئی قوم کی بد قسمتی یہ تھی کہ آپ بہت جلد صرف آٹھ سال کے بعد اس دارِ فانی سے ۱۱ مئی

---

[17] سرنزیب خان سواتی، **تاریخ ریاست سوات**،۶۶

[18] آپ کا اصل نام عبد الغفور بن عبد الواحد تھا۔ سیدو بابا اور اخوند کے نام سے کافی شہرت رکھتے تھے۔ آپ سوات کے علاقہ شامیزو کے جبڑی نامی گاؤں میں ۱۷۹۴ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم آٹھ سال کی عمر تک سوات میں حاصل کرنے کے بعد آپ گوجر گڑھ مردان میں مولانا عبد الحلیم صاحب سے استفادہ کیا اور بعد میں حضرت کاکاصاحب کے علاقے میں تحصیل علم کے لئے چلے گئے۔ تحصیل علم کے بعد جب سوات آئے تو یہاں کے حالات کا مقابلہ کیا اور شریعت کے نفاذ اور باطل رسوم کے ختم کرنے کے لئے خوب جدوجہد کی جس میں کافی حد تک کامیاب رہے۔ آپ میاں گل عبد الودود المعروف بہ بادشاہ صاحب کے والد محترم تھے۔ آپ نے ۱۲ جنوری ۱۸۷۷ء کو وفات پائی۔ آپ کا مزار سیدو شریف میں واقع ہے۔(خلیل الرحمن، ایم فل مقالہ، **"فتاوی ودودیہ کی تخریج وتحقیق"**،۱۷)

[19] سلطان روم، **ریاست سوات**،۳۷

۱۸۵۷ء کو رحلت فرما گئے۔[20] آپ کی وفات کے بعد آپ کے بیٹے مبارک شاہ نے حکمرانی سنبھالی لیکن چند ماہ بعد میاں گل عبد الغفور صاحب کے ساتھ اختلافات کے باعث اسے اقتدار سے الگ ہونا پڑا اور یوں سوات ایک بار پھر اختلافات کا شکار ہوا اور بیرونی دشمنوں کے حملوں کے خطرات بھی منڈلانے لگے۔[21]

۱۸۶۳ء میں پشاور پر قبضہ کے بعد انگریزوں نے بونیر کے مقام امبیلہ پر حملہ کیا جس میں انگریزوں کا اہم کمانڈر ڈبلیوڈبلیو ھنڑ اپنے کئی ساتھیوں سمیت مارا گیا۔ لیکن کئی اہم مقامات پر وہ قابض ہو گئے۔[22]

مئی ۱۸۷۱ء اور جون ۱۸۷۵ء میں سیدو بابا نے اپنے بیٹے میاں گل عبد الحنان کو سوات کا حکمران منتخب کرانے کی بالواسطہ کوششیں کیں لیکن اس وقت چونکہ اور بھی تخت (Throne) کے مضبوط امیدوار تھے اس لئے ان کو ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔[23] اس کے بعد سوات ایک بار پھر خوانین اور مختلف سرداروں کی جنگوں کا مرکز بن گیا۔ ۱۸۸۷ء میں میاں گل عبد الحنان صاحب مسندِ رشد وہدایت پر تکیہ نشین ہوئے مگر وہ ناکام رہے۔ اور ان کی وفات کے بعد میاں گل عبد الخالق صاحب تکیہ نشین ہوئے۔ موصوف نے رشد وہدایت کا سلسلہ اور ساتھ ہی شرعی حکومت کا قیام اور بیعت و سلوک کا سلسلہ آگے بڑھایا۔ مگر زندگی نے وفانہ کی اور جوانی کے عالم میں صرف 35 سال کی عمر میں ۱۸۹۲ء میں دارِ بقاکی طرف رحلت فرما گئے۔

۱۸۹۲ء میں ان کے بیٹے میاں گل شہزادہ عبد الودود خان کو صرف تکیہ نشین مقرر کیا گیا۔ اپریل ۱۸۹۵ء میں انگریزوں نے مقامی لوگوں کی طرف سے کئی دنوں سے جاری شدید مزاحمت (Resistant) کا سامنا کرنے کے بعد مالاکنڈ پر قبضہ کر لیا۔ دو سال کے بعد انگریزوں کے خلاف سب سے خوفناک بغاوت جولائی ۱۸۹۷ء میں سعد اللہ خان (سرتور فقیر) کی سربراہی میں نمودار ہوئی۔ اس کا دعویٰ یہ تھا کہ انگریزوں کو صرف مالاکنڈ نہیں بلکہ پشاور سے بھی نکال کر دم لیں گے۔ مگر انگریز بڑا جانی نقصان اٹھانے کے باوجود بالآخر ۱۹ اگست ۱۸۹۷ء کو مینگورہ میں داخل ہونے میں کامیاب ہوا۔ ۱۸۹۲ء سے ۱۹۱۵ء تک کا یہ دور انتہائی سخت، قبائلی اور مذہبی لحاظ سے فرقہ

---

[20] عبد القیوم بلالہ حافظ خیل، **داستان سوات**، ۱۳

[21] سلطان روم، **ریاست سوات**، ۴۵

[22] سرنزیب خان سواتی، **تاریخ ریاست سوات**، ۷۸

[23] سلطان روم، **ریاست سوات**، ۴۵

واریت،(Sectarianism) بدعات ،رسومات اور ظلم وستم دور تھا۔ [24]جب کہ دوسری طرف اختلافات بھی شدت اختیار کر چکے تھے۔ ان اختلافات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ۱۹۰۷ء میں نواب دیر نے سوات کے علاقے شموزئ پر قبضہ کر لیا۔ کچھ مدت کے بعد ۱۹۱۳ء میں یوسفزئی نے سنڈاکئ باباکی قیادت میں نواب دیر پر حملہ کر کے اپنے مقبوضہ علاقے کو نواب دیر کے چنگل سے آزاد کر لیا۔

۱۹۱۳ء میں جب یوسفزئی نے سوات کے علاقے کو مکمل طور پر اپنے قبضے میں کر لیا۔ تو مستقبل کے خطرات سے نمٹنے کے لئے سنڈاکئ باباکی زیر صدارت علاقے کے تمام مشران اور خوانین وغیرہ نے پانچ رکنی کمیٹی قائم کر دی۔ جس کے ایک جرگہ میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ ہم ایک ایسے حکمران کا انتخاب کریں گے جو ایک آزاد اسلامی ریاست کو قائم کرے اور جو ہر محاذ پر انگریزوں سے نبرد آزما ہو۔ اس کمیٹی نے سب سے پہلے عبدالودود کو اس ریاست کی سربراہی کے لئے قائل کرنے کی کوشش کی۔ انہوں نے اس سے کہا کہ "ماضی کے تمام تر اختلافات کو بھلا کر آپ اس ریاست کی حکمرانی کی ذمہ داری قبول کر لے۔ اگر آپ تیار نہیں ہوئے تو وہ کسی کو باہر سے حکمران بنانے کے لئے لائیں گے"۔ میاں گل عبدالودود نے اس بھاری ذمہ داری کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کے بعد اس کونسل نے خود سنڈاکئ بابا کو اس ریاست کی حکمرانی کی پیش کش کی۔ لیکن وہ بھی اس اعزاز(Honor) کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہوئے۔ [25]

ریاستِ سوات کا پہلا حکمران اور شرعی قوانین کے ارتقاء میں اس کا کردار: (The 1st Ruler of Swat State and His Role in the Evolution of Islamic Laws)

۱۹۱۵ء میں پانچ رکنی کمیٹی نے سنڈاکئ باباکے مشورے سے ایک بار پھر سوات کے حکمران بننے کے لئے کسی اہم شخصیت کو ڈھونڈنے کی کوشش شروع کی۔ آخر کار انہوں نے بونیر کے عبدالجبار شاہ صاحب کو خلافت کی کرسی پر بٹھانے کے لئے رسمی دعوت دی۔ ان کے مسلسل انکار کے باوجود سوات کے اندرونی حالات کے خلفشار کی وجہ سے آخر کار وہ لوگوں کے اصرار پر اپریل ۱۹۱۵ء کو سوات آ گئے اور ۲۴ اپریل ۱۹۱۵ء کو موضع کبل میں سوات کی حکمرانی کا تاج ان کے سر پر رکھ دیا گیا۔ [26]

---

24 خلیل الرحمن، "فتاوی ودودیہ کی تخریج وتحقیق"،۱۱

25 سلطان روم، ریاست سوات، ۶۰

26 عبدالقیوم بلالہ حافظ خیل، داستان سوات،۲۰

سید عبد الجبار شاہ ایک باوقار، مدبر شخص اور فصیح اللسان (Fluent) مقرّر تھے اور اس کے ساتھ ساتھ وہ چونکہ نواب دیر کے ساتھ وزارت عظمیٰ کا قلمدان سنبھال چکے تھے۔ اس لئے حکومت چلانے میں آپ کو کافی مہارت حاصل تھی۔ لیکن اس کے باوجود آپ کو حکمران بنتے ہی مختلف مسائل کا سامنا کرنا پڑا۔ ایک طرف باہر کا آدمی ہونے کی وجہ سے آپ کی پوزیشن کمزور تھی۔ یہاں آپ کی کوئی حمایتی جماعت موجود نہیں تھی جس سے کچھ لوگوں کی وفاداری آپ کے ساتھ مضبوط ہو۔ دوسری طرف میاں گل اپنے روحانی سلسلہ نسب (Lineage) اور اثر ورسوخ کی وجہ سے ایک مضبوط حریف کی شکل میں موجود تھا۔ اس کے علاوہ نواب دیر بھی ریاستِ سوات کے ساتھ دشمنی کی وجہ سے اپنے مخالفانہ عزائم لئے ہوئے حملے کی تاک میں تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ مختلف قبائل، نافرمان لوگوں اور خوانین کے درمیان ایک قسم کا توازن برقرار رکھنا تھا جو کسی منظم نظام اور نظم ونسق سے مکمل ناواقف تھے۔[27] ان سب مسائل کے باجود عبد الجبار شاہ نے مدبرانہ حکمت عملی، مہارت اور انتہائی سمجھ بوجھ کے ساتھ اپنی حاکمیت قائم کرلی۔ سب سے پہلے انہوں نے فوج میں نوکری کے شائقین سے اسلحہ خریدواکر ان کے نام رجسٹر میں درج کروادئے۔ اس کے ساتھ ساتھ بلاناغہ عشر کا نظام رائج کیا۔ جس سے فوج کی تنخواہ اور اس نو قائم شدہ ریاست کے تمام اخراجات (Expenditures) پوری کئے جاتے تھے۔ شاہ صاحب کا نظام بڑی دانشمندی سے چلنے لگا۔ ریاست میں ہر طرف انصاف کا بول بالا ہوگیا اور لوگ خوشی اور امن وامان کے ساتھ اپنی زندگی گزارنے لگے۔[28]

۱۹۱۶ء میں میاں گل برادران نے نواب دیر کے ساتھ اتحاد قائم کرکے ان کو ریاستِ سوات پر حملہ کے لئے اکسایا۔ ان کے آپس میں مصالحت (Reconciliation) کی بسیار کوششیں کی گئیں لیکن وہ کارگر نہ ہوسکیں۔ اس دوران سنڈاکئ بابا نے حاجی ترنگزو صاحب کے ساتھ مل کر ایک بار پھر انگریز پر یلغار کرنے کا تہیہ کرلیا۔ شاہ صاحب نے پہلے ریاست کی کمزوری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جہاد کا ارادہ مؤخر کرنے کا ارادہ کیا لیکن سنڈاکئ بابا کسی طرح نہ مانے۔ آخر چاروناچار سنڈاکئ بابا کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے شاہ صاحب نے خوانین اور ریاستِ دیر کے زعماء کو ساتھ ملالیا۔ اس متحدہ محاذ نے دفاعی تدابیر کو مد نظر رکھتے ہوئے انگریزوں پر ایسے حملے

---

[27] سلطان روم، **ریاست سوات**، ۶۲

[28] عبد القیوم بلالہ حافظ خیل، **داستان سوات**، ۲۲

شروع کئے جس سے ان کو کافی زک پہنچی۔ انگریز سمجھنے لگے کہ اگر یاغستان[29] کے اس مرکزی حصے کا زمامِ سلطنت عبد الجبار کے ہاتھوں میں رہی تو یہ انگریز کے لئے دردِ سر بن سکتی ہے۔ چنانچہ انہوں نے آپ کو حکمرانی سے ہٹانے کی تدابیر سوچنے شروع کر دئے۔ آخر کار ان کے خلاف مذہب کے نام پر سازش کی گئی اور سیاسی حریفوں اور کچھ مذہبی پیشواؤں کے گٹھ جوڑ سے ان پر قادیانیت کا الزام لگایا گیا۔ جو ان کی معزولی کا سبب بن گیا۔ سنڈاکئ بابا کے مشورے سے شاہ صاحب کے لئے ایک جرگے کا انعقاد بھی کیا گیا جس میں شاہ صاحب کو اپنی صفائی پیش کرنی تھی۔ 4 ستمبر ۱۹۱۷ء کو اس جرگہ میں مقامی عمائدین کی موجودگی میں آپ نے کلمہ طیبہ کا ورد کرتے ہوئے اپنے آپ کو راسخ العقیدہ (Orthodox) سنی مسلمان ہونے کا اعتراف کر لیا اور ساتھ ساتھ ان سے رخصت لیتے ہوئے حکمرانی سے دست بردار بھی ہو گئے۔[30]

ریاستِ سوات کا دوسرا حکمران اور شرعی قوانین کے ارتقاء میں اس کا کردار: (The 2nd Ruler of Swat State and His Role in the Evolution of Islamic Laws)

عبد الجبار کے رخصت ہونے کے بعد میاں گل عبد الودود کو حکمران بننے کا سنہرا موقع مل گیا کیونکہ اس وقت اس منصب کے لئے اس کا حریف صرف نوابِ دیر تھا۔ لیکن وہ اپنی ریاست کے مسائل میں اتنا الجھا ہوا تھا کہ سوات کی طرف توجہ کرنا اس کے لئے ممکن ہی نہیں تھا۔ اس لئے پہلی ہی فرصت میں تقریباً سوات کی اکثریت نے اس کو حکمران تسلیم کر لیا۔ رفتہ رفتہ سارے قبائل نے اس کی حاکمیت تسلیم کر لی۔ ستمبر ۱۹۱۷ء کے دوسرے ہفتے میں کبل کے مقام پر اس کو دستارِ حکمرانی سے ملبوس کر دیا گیا۔[31]

سوات کا حکمران مقرر ہونے پر عبد الجبار کے مقابلے میں میاں گل عبد الودود کی پوزیشن نسبتاً بہتر تھی۔ کیونکہ ایک طرف اس کی اپنی حمایتی جماعت موجود تھی۔ دوسری طرف اس کے والد سیدو بابا مرحوم کے مریدین کی حمایت بھی ان کو حاصل تھی۔ لیکن اس کے باوجود نوابِ دیر کی طاقت سے نمٹنا، سنڈاکئ بابا کی لوگوں میں عقیدت (Devotion)، شہرت اور اثر ورسوخ کسی بھی وقت خطرناک ہو سکتا تھا۔ اسی طرح میاں گل عبد الودود کا اپنا سگا بھائی میاں گل شیرین جان بھی ریاست کے حکمرانی کا دعویدار تھا اس لئے اس کی طرف سے بھی کسی درجے کے

---

[29] یاغستان میں سوات، بونیر اور دیر شامل تھے۔ (**نفس مصدر**، ۲۳)

[30] عبد القیوم بلالہ حافظ خیل، **داستان سوات**، ۲۴

[31] سلطان روم، **ریاست سوات**، ۸۲

خطرات منڈلا رہے تھے۔ اس سے پہلے میاں گل عبد الودود نے اپنے دو چچازاد بھائیوں میاں گل عبد الرزاق کو ۱۹۰۳ء میں قتل کیا۔ جب کہ اس کے دوسرے بھائی میاں گل عبد الواحد کو ۱۹۰۷ء میں شکار کے دوران گولی مار کر ہلاک کیا تھا۔ چچازاد بھائیوں کا صفایا کرنے کے بعد اب میاں گل عبد الودود کا حریف صرف اپنا سگا بھائی ہی تھا جو کسی وقت اس کی حکومت کے لئے خطرہ بن سکتا تھا۔ اس رکاوٹ سے جان چھڑانے کے لئے میاں گل عبد الودود نے اپنے بھائی میاں گل شیرین جان کو ۸۰ افراد مشتمل دستہ کی قیادت سونپ کر دیر کی سرحد پر واقع شموزئی قلعہ پر تعینات کر دیا۔ ۱۱ اگست ۱۹۱۸ء اس قلعہ پر دیر کی افواج نے دھاوا بول دیا۔ میاں گل شیرین جان بار بار کمک (Help) طلب کرنے کے لئے درخواست کی۔ لیکن اس کی کوئی شنوائی نہیں ہوئی۔ آخر کار شیرین جان اپنے ساتھیوں سمیت جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ اس طرح میاں گل عبد الودود کی حکومت میں حائل ایک اور اہم رکاوٹ کا خاتمہ ہو گیا۔

علاوہ ازیں سوات کی عوام کے دلوں میں سنڈاکئ بابا کی گہری عقیدت موجود تھی جو کسی بھی وقت میاں گل کی حکومت کے لئے مشکلات پیدا کر سکتی تھی اس لئے انہوں نے سنڈاکئ بابا اور ان کے دائیں بازو حاجی صاحب آف ترنگزئی پر فسادات کے الزامات لگائے اور اس کے لئے انہوں نے سیدو بابا کے مزار کے نگران ابو بکر المعروف بہ پاسنئ ملا کو استعمال کیا۔ جس کی وجہ سے بالآخر سنڈاکئ بابا پہلے سوات کوہستان چلے گئے اور بعد میں کوہان دیر چلے گئے اور وہاں ٦ فروری ١٩٢٧ء کو وفات پائی۔ یوں میاں گل عبد الودود کا یہ مشکل بھی حل ہو گیا۔[32]

نواب دیر کے ساتھ ریاست سوات کے پہلے حکمران عبد الجبار کے عہد ہی سے حالات ساز گار (Favorable) نہیں تھے اور یہ حالات عبد الودود کے بر سر اقتدار آنے سے بھی نہیں سنبھل سکے، بلکہ عبد الودود کے خلاف ریاست سوات کے پہلے حکمران عبد الجبار اور نوابِ دیر نے ایک متفقہ محاذ بھی قائم کر لیا۔ اور یوں کئی سالوں تک ان کے آپس میں لڑائی جاری رہی۔ اس کے علاوہ ریاست سوات ہی میں مسلسل تنازعات سر ابھارتے رہے۔ لیکن میاں گل عبد الودود کے بہترین دفاعی پوزیشن کی وجہ سے تمام مخالفین ہمیشہ ناکام رہے اور اس کی پوزیشن مضبوط ہوتی رہی۔ یہاں تک کہ ۱۹۲۲ء میں ادین زئی معاہدہ کے تحت برطانوی حکومت نے نوابِ دیر اور حکمرانِ سوات کے درمیان صلح کی۔ جس سے کافی حد تک حالات سنبھلنے لگے۔ ۲۱ مئی ۱۹۲۳ء کو عبد الودود نے اپنے سب سے بڑے بیٹے میاں گل عبد الحق جہانزیب المعروف بہ والئی صاحب کو اپنا ولی عہد (Successor) مقرر کیا۔

[32] سلطان روم، **ریاست سوات**، ۸۷

بادشاہ صاحب کے دور حکومت میں ریاستِ سوات کی سرحدیں آہستہ آہستہ شمال میں گلگت اور چترال، جنوب میں مردان اور مشرق میں دریائے سندھ تک پہنچ گئیں۔ جب کہ مغرب کی طرف دیر کی ریاست تھی۔ آپ نے اپنی حدود کی حفاظت کے لئے ۸۰ قلعے تعمیر کروائے۔ آپ کی حکومت میں کافی امن وامان تھا۔ آپ نے ہر قسم اصلاحات شروع کیں۔ جن میں تعلیمی اصلاحات سرفہرست ہیں۔ آپ نے پہلا پرائمری سکول ۱۹۲۵ء میں سیدو شریف میں قائم کیا۔ جو آج کل ودودیہ ہائیر سیکنڈری سکول کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے بعد ریاست میں تعلیم کا جال بچھایا۔ ۱۹۴۳ء میں آپ نے اپنے نام سے منسوب ایک دینی مدرسہ دارالعلوم ودودیہ کے نام سے سیدو شریف میں تعمیر کروایا۔ جو بعد میں بڑھتی تعداد کی وجہ سے گلکدہ میں منتقل ہو گیا۔ بادشاہ صاحب کے کارناموں میں ایک اہم کارنامہ یہ بھی ہے کہ انہوں نے زمینوں کی مستقل تقسیم پانچ سال میں پایہ تکمیل تک پہنچایا جس سے لوگوں کو مستقل حصص الاٹ ہو گئے۔ یہ سلسلہ ۱۹۲۶ء سے شروع ہوا اور ۱۹۲۹ء میں ختم ہوا۔[33]

بادشاہ صاحب کی حکومت سے پہلے جائدادوں(Properties) کی تقسیم عارضی تھی جو شیخ ملی کے دور سے مسلسل آرہی تھی۔

آپ نے فیصلوں کو حل کرنے کے لئے ایک کمیٹی قائم کی تھی جو ہر وقت آپ کی مصاحبت میں رہتی تھی۔ اس کے علاوہ ہر گاؤں میں ایک قاضی بھی مقرر کیا تھا۔ سوات کی عدالتوں میں جب بھی کوئی کیس آجاتا تو زیادہ سے زیادہ دوسری پیشی میں حل ہو جاتا۔ بادشاہ صاحب نے ان پڑھ ہونے کے باوجود ایسی ان گنت علمی خدمات انجام دی ہیں جو رہتی دنیا تک آپ کے نام زندہ رکھیں گی۔ آپ نے فارسی کے بجائے پشتو کو دفتری زبان قرار دیا اور اسی زبان میں تاریخ فرشتہ اور انوارِ سہیلی کے تراجم کروائے گئے۔ ان کے علاوہ پشتو زبان میں دو جلدوں پر مشتمل ایک ضخیم (Voluminous) فقہی کتاب "فتاویٰ ودودیہ" بھی لکھوائی گئی۔ اسی طرح انہوں نے تاریخِ سوات بھی پشتو زبان میں لکھوائی۔ جس کی کئی زبانوں میں تراجم شائع ہو چکے ہیں۔ آپ نے ۱۲ دسمبر ۱۹۴۹ء کو حکمرانی کا تاج اپنے ولی عہد بیٹے کے سر پر رکھ کر خود اس سے مستعفی ہو گئے تھے۔ حکمرانی سے دست برداری کے بعد آپ نے مختلف بزرگانِ دین سے علم دین حاصل کیا۔ عمر کے آخری حصے میں زیادہ تر وقت عبادت اور خدمتِ خلق میں

[33] سلطان روم، **ریاست سوات**، ۱۹۶

گزارتے تھے اور صوم وصلوۃ کے پابند تھے۔ آخر کار یکم اکتوبر ۱۹۷۱ء کو اس دارِفانی سے رحلت فرما گئے اور وصیت کے مطابق اپنی حیات میں تیار کردہ مرقد میں سیدو شریف میں مدفون ہوئے۔[34]

ریاستِ سوات کا تیسرا اور آخری حکمران اور شرعی قوانین کے ارتقاء میں اس کا کردار: (The 2nd Ruler of Swat State and His Role in the Evolution of Islamic Laws)

۱۲ دسمبر ۱۹۴۹ء کو بادشاہ صاحب کی دعوت پر ریاستِ سوات کے معززین، پاکستان اور بیرونِ دنیا کے شاہان اور افسران جس میں پاکستان کے لیاقت علی خان اپنی اہلیہ کے ساتھ شامل تھے، والی صاحب کی تاج پوشی کی تقریب میں شریک ہوئے۔ وزیر اعظم لیاقت علی خان نے میاں گل عبد الحق جہانزیب المعروف بہ والئی صاحب کے سر پر عمامہ والیت باندھا۔ آپ ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوان تھے اور ۱۹۴۲ء سے اپنے والد محترم کی موجودگی میں امور سلطنت احسن طریقے سے چلانا شروع کر چکے تھے۔ عوام کی خواہش تھی کہ اب ریاست کی ذمے داریاں باقاعدہ طور پر ان کے حوالے کی جائیں۔ اس تقریب میں حکومت کے اختیارات باقاعدہ طور پر شہزادہ میاں گل عبد الحق جہانزیب کے حوالے کئے گئے۔

بادشاہ صاحب اور والی صاحب کی اپنی ذاتی آمدن، جائیداد اور کاروبار کی آمدنی اتنی تھی کہ وہ ریاست کی تنخواہ کے محتاج نہ تھے بلکہ ابتداء میں محکمہ قضاء، دار العلوم اور سکولوں کے اساتذہ کی تنخواہ ذاتی مال سے دیتے رہے اور حکومت کے خزانے پر اس کام کا بوجھ انہوں نے نہیں ڈالا۔

والئی صاحب نے بیرونی خطرات کا سدباب کر کے ریاست کے گوشے گوشے میں مکمل امن و امان قائم کیا۔ سب سے پہلے آپ نے صدیوں سے جاری ظالمانہ رسمِ خوانین کو ختم کیا جس کے ذریعے عوام الناس کو گاؤں کے ملک یا خان کے مجبور اور مطیع بنایا گیا تھا۔ خان اور ملک کے مہمانوں کا خیال رکھتا۔ فصل کی بوائی کے موسم میں لوگ اپنے تیار فصل کو چھوڑ کر خان اور ملک کی فصل کی فکر کرتے۔ بیٹی کی شادی میں خان اور ملک کو ایک خاص کی رقم (Amount) ادا کرنی پڑتی جس کو کھنڈر کہا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ اگر کوئی شخص کوئی جانور ذبح کرتا تو اس میں سے خاص حصہ خان یا ملک کو بھیجنا پڑتا۔ ان رسومات سے عوام حد درجہ نالاں تھے۔ اس لئے والئی صاحب نے اپنی حکومت سنبھالتے ہی ان ظالمانہ رسومات کا قلع قمع کیا۔[35]

---

[34] عبد القیوم بلالہ حافظ خیل، **داستان سوات**، ۳۴

[35] عبد القیوم بلالہ حافظ خیل، **داستان سوات**، ۴۰

والئی صاحب نے ریاست کے دور دراز علاقوں کو سڑکوں اور ٹیلیفون کے ذریعے دار الخلافہ سے منسلک کر دئے۔ پہلے سے موجود قلعوں کے علاوہ اہم مواضع پر تھانے بنائے گئے۔ فوج کی تعداد میں خاطر خواہ اضافہ کر کے اس کے نظام کو ایک نئے ڈھانچہ میں تشکیل دیا۔ صحت پر توجہ دے کر جابجا ڈسپنسریاں قائم کر دیں۔ جب کہ بڑے بڑے ہسپتال قائم کر کے اس میں ہر قسم فری سہولیات مہیا کی گئیں۔ دوائی کے علاوہ ہر مریض (Patient) اور اس کے ایک ساتھی کو ایک وقت کا کھانا بھی مفت فراہم کیا جاتا۔ تعلیم کے میدان میں والئی صاحب نے غیر معمولی اصلاحات کی تھیں۔ تعلیم کے عروج کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ ۱۹۵۲ء میں ہی آپ نے جہانزیب کالج کی بنیاد رکھی۔ ۱۹۴۹ء تک تو ریاست سوات میں کل ۳۶ سکول تھے اور ۱۹۶۹ء میں جب سوات کو پاکستان میں بطور ضلع مدغم کیا گیا اس وقت سوات میں ۳ بڑے کالج، ۳۷ ہائی سکول، ۳۳ مڈل سکول، ۱۴ لوئر مڈل سکول، ۱۶۴ پرائمری سکول، ۱۲۰ لوئر پرئمری سکول موجود تھے۔[36]

مختصر یہ کہ والئی صاحب سوات کو پیرس بنانا چاہتے تھے اور وہ ترقی کی راہ پر اتنی برق رفتاری سے گامزن تھے کہ ۱۹۶۹ء تک کوئی کام سوات کے دفاعی، انتظامی، تعلیمی اور صحت الغرض تمام شعبہ ہائے زندگی میں اصلاحات اور سہولیات سے ریاست کو مزین کیا۔

ریاستِ سوات کا ادغام:

والئی صاحب نے سوات کی حکمرانی سنبھالتے ہی اس میں ترقیاتی کاموں اور منصوبوں پر عمل درآمد جاری رکھا۔ تعلیم، مواصلات اور صحت اس کی خاص ترجیحات تھیں۔ لیکن حکومت مضبوط ہوتے ہی عدل وانصاف کی جگہ مطلق العنانیت نے لی۔ جس نے لوگوں کے دلوں میں والئی صاحب سے نفرت کے بیج بو دئے۔ والئی صاحب کے لئے مناسب یہ تھا کہ وہ حکمرانی کا حق ادا کر کے ایک پر وقار لباس میں ملبوس ہوتے اور اپنی عوام کے منصفانہ اور عادلانہ رویہ اختیار کرتے۔ لیکن انہوں نے انتقامی کارروائی (Retaliatory) کرتے ہوئے اپنے مخالفین کو طرح طرح کی اذیتوں کا نشانہ بنایا۔ انہیں دربدر کر دیا۔ قید خانوں میں بند کر کے ان کے ساتھ ظالمانہ سلوک کیا۔ اس لئے لوگ اس کے خلاف کھل کر آنے لگے۔ اس سلسلے میں سراج الدین وہ پہلا شخص تھا جس نے والئی صاحب کو اصلاحات کی پیش کش کی۔ اور سوات میں صحیح جمہوریت (Democracy) یا اسلامی نظام کے نفاذ کی تجویز دے

---

36 خلیل الرحمن، "**فتاویٰ وددودیہ کی تخریج وتحقیق**"، ۱۷

دی۔ جس کو والئی صاحب نہ صرف رد کر دیا بلکہ اس کو اپنے دفتر میں بلوا کر بے رحمی سے تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ والئی سوات کے مطلق العنانیت اور عدم انصاف کی وجہ سے اکثر لوگ اس کے مخالف ہو گئے اور نظام کی اصلاح کے لئے آپ کو تجاویز دیدیں۔ لیکن والئی سوات نے بجائے اصلاحِ نظام کے اس نے پہلے ۲۸ جولائی ۱۹۶۹ء کو پیر کے دن ریاستِ سوات کو ایک ضلع کے حیثیت سے حکومت پاکستان میں ضم کرنے کا اعلان کر دیا۔ جب کہ ۱۵ اگست ۱۹۶۹ء ریاستِ سوات کو پاکستان میں مدغم کرکے اپنی حکمرانی کا خاتمہ کر دیا۔ [37]

والئی سوات کے حکم ناموں کا تعارفی جائزہ:

والئی سوات میاں گل عبد الحق جہانزیب ریاست سوات کا تیسرا اورآخری حکمران(Ruler) تھا۔ آپ سے پہلے دو اور حکمران بھی گزر چکے ہیں۔ پہلا حکمران سید عبد الجبار شاہ تھا۔ انہوں نے ۱۹۱۵ء سے لے کر ۱۹۱۷ء تک دو سال کے لئے حکمرانی کی تھی۔ چونکہ آپ نواب امب کے ساتھ وزیر اعظم رہ چکے تھے اس لئے سابقہ تجربہ ہونے کی وجہ سے آپ نے حکومت سنبھالتے ہی سب سے پہلے اسلامی نقطۂ نظر کے تحت نظامِ عشر کو نافذ کیا۔ یہ حکومت کا کارندے وصول کرتے تھے اور انبار خانوں میں جمع کرتے تھے۔ اس کے علاوہ انہوں نے فوجی نظام کو بھی مستحکم کیا۔ فوج کی تنخواہ اور ریاست کے تمام اخراجات کا دارومدار عشر ہی پر تھا۔[38] آپ کے دور حکومت کے فیصلوں کے بارے میں کوئی خاطر خواہ مواد نہیں مل سکیں۔ البتہ ان کو معزول کرنے کے اسباب کے بارے میں بعض مصنفین نے کچھ تبصرہ کیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ "آپ نے اپنی حکومت کے عہد میں سواتی قبائل کے درمیان پائے جانے والے اختلافات کو ختم کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی اور نہ ان کے درمیان کوئی توازن بر قرار رکھا۔ بلکہ مختلف اوقات میں انہوں نے غیر جانبداری سے کام لیا۔ اسی طرح عام لوگوں کو بھی کوئی انصاف فراہم نہیں کرسکا اور نہ ان کی غربت میں کمی لانے کے لئے کوئی کوشش کی گئی"۔[39] جس کی وجہ سے ان کے خلاف سازشیں(Conspiracies) شروع ہو گئیں اور بالآخر وہ ۱۹۱۷ء کو معزول کر دئے گئے۔

---

[37] محمد آصف خان تاریخ ریاست سوات وسوانح بانئ ریاست سوات میانگل گل شہزادہ عبدالودود خان بادشاہ صاحب سن ۲۷ ستمبر ۱۹۵۸ء میں شاہی دربار سے شائع شدہ، ۲۴۴

[38] عبدالقیوم بلالہ حافظ خیل، **داستان سوات**، ۴۰

[39] سلطان روم، **ریاست سوات**، ۷۹

دوسرا حکمران میاں گل عبد الودود المعروف بہ بادشاہ صاحب تھا۔ عبد الجبار شاہ کی معزولی کے بعد انہوں نے اپنی بادشاہت کے خواب کو عملی جامہ پہنایا۔ آپ کو حکومت اور انتظامیہ کا ایک بنیادی اور تیار ڈھانچہ ملا تھا۔ تاہم پھر بھی ان کو کافی مشکلات کا سامنا تھا۔ آپ نے سب پہلے ریاست کے اندر اور باہر کے مخالفین کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ اس کے بعد زیادہ توجہ ریاست کی وسعت اور اس کے استحکام پر صرف کیا۔ جس کے لئے آپ برطانوی حکام (Officials) سے بھی مسلسل رابطے میں رہے۔ آپ نے ریاست کے چلانے کے لئے اکثر مقامات پر جرگہ نظام کو بحال رکھا۔ خوانین اور اہم شخصیات کو وظائف دئے جانے لگے۔ مختلف جرائم پر جرمانے عائد کئے گئے اور خان اور ملک کو اس میں سے ایک تہائی کا حصہ مقرر کیا گیا۔ جس کی وجہ سے یہ لوگ ان کی طرفداری (Favoritism) سے باز آگئے۔ مساجد کے پیش اماموں کے لئے تنخواہ مقرر کی گئی۔ جب کہ کچھ اور علماء کو تنخواہ دور قاضی مقرر کیا گیا۔ آپ نے ان تمام بااثر مذہبی شخصیات کو ریاست بدر یا خاموش کر دیا جس سے آپ کے اقتدار کو خطرات لاحق تھے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ مذہبی علوم کی ترویج کے لئے آپ نے بے پناہ خدمات انجام دئے۔ جس کی واضح دلیل ۱۹۴۳ء میں دار العلوم سیدو شریف کا قیام ہے۔

بادشاہ صاحب کے دور میں عدالتی نظام اور قوانین وضوابط مکمل طور پر شریعت کے موافق نہیں تھے۔ اگر چہ کچھ فیصلے شرعی قانون کے ماتحت ہوتے تھے جس کے لئے اعلیٰ ترین عدالت موجود تھی۔ جس میں قاضی القضاۃ اور فقہ اسلامی کے ماہر فقہاء موجود تھے۔ آپ نے غیر اسلامی رسوم ورواج کو ختم کرنے کی کوشش کی۔ اسقاطِ حمل کو غیر شرعی قرار دیا۔ تجہیز و تکفین سے متعلق رسوم کی اصلاح کی گئی اور اسقاط کے ضمن میں خرچ ہونے والی رقم کی حد بندی کی گئی۔ عید الاضحیٰ کے موقع پر کی جانے والی قربانی کے لئے بھی ضوابط مقرر کئے گئے۔ بادشاہ صاحب نے ایک قانون بنایا اور اس پر بلا تخصیص عمل کرنے کی تاکید کی۔ جن میں سے چند حکم نامے مشت نمونہ خروارے درج ذیل ہیں:

۱۔ قتل کے بدلے قتل

۲۔ زنا کے بدلے قتل

۳۔ ڈاکہ (Plundering) اور رہزنی پر قتل

۴۔ جس علاقے میں قتل، چوری اور ڈاکہ وغیرہ الغرض غیر اخلاقی اور ملکی قانون کے خلاف کوئی کام کیا جاتا تو سارے علاقے پر لازم تھا کہ مجرم (Convict) کو متعلقہ وقت میں حاضر کریں۔ ورنہ علاقے کے سارے

عوام ذمہ دار ہوتے اور سب کو جرمانہ ادا کرنا پڑتا۔ اور علاقے میں جو صوبیدار وغیرہ سرکاری اہلکار ہوتے ایسی صورت میں ان کو فوراً نوکری سے برخاست کر دیا جاتا تھا۔ وغیرہ وغیرہ

اس کا فائدہ یہ ہوا کہ ۵۴ سالہ دور حکومت میں تمام ریاست میں صرف 24 قتل ہوئے۔ جس میں صرف 6 ریاستِ سوات میں جب کہ ۱۸ کوہستان میں ہوئے۔

لیکن اس کے ساتھ ساتھ آپ کے دور میں جب کوئی نیا علاقہ ریاست کا حصہ بن جاتا تو وہاں ایک جرگہ بلایا جاتا اور وہ خود اپنے لئے قتل، چوری، زنا وغیرہ کی سزا خود مقرر فرمالیتا۔ ان جرگوں کے قوانین پر بالعموم عمل درآمد ہو جاتا لیکن بعض اوقات کسی خاص ڈریا پشت پناہی استثنائی صورتِ حال بن جاتی۔ [40]

اسلامی قوانین پر عمل درآمد کے بارے میں بادشاہ صاحب خود فرماتے ہیں۔ کہ "جو چاہتا اپنی مرضی سے اسلامی شریعت کے مطابق اپنے مقدمہ کا فیصلہ کرواسکتا تھا۔" ہر قسم کے اسلامی قوانین پر عمل درآمد کم کیا جاتا تھا کیونکہ زیادہ تر جرائم (Crimes) جیسے قتل، مارپیٹ، چوری اور زنا کے لئے جرمانے مقرر کئے گئے تھے۔[41] جس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ خیال مکمل غلط ہے کہ ریاستِ سوات میں بادشاہ کے دور میں شریعت ریاست کا اعلیٰ قانون تھا اور سب فیصلے شریعت کے مطابق ہوتے تھے اور کسی کے لئے اس سے روگردانی ممکن نہیں تھی۔

ریاستِ سوات کا تیسرا اور آخری حکمران میاں گل عبد الحق جہانزیب المعروف بہ والئی سوات نے ۱۲ دسمبر ۱۹۴۹ء کو اقتدار سنبھالا۔ آپ نے اپنے والد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ریاست کو استحکام (Stability) کی راہ پر گامزن کیا۔ تعلیم، صحت اور مواصلات پر خوب توجہ دیا۔ اس کے علاوہ عدالتی نظام میں بھی کافی اصلاحات کیں۔ آپ نے پچھلے تمام قاضیوں کو اپنی جگہ پر برقرار رکھا۔ آپ نے تمام تر اختیارات اپنے پاس ہی رکھے۔ جب تک وہ خود کسی فیصلے پر آخر میں دستخط نہ کرتے اس وقت تک وہ فیصلہ نافذ العمل نہیں ہوتا تھا۔ آپ نے قاضیوں کے علاوہ ایک نیا شعبہ منصفان کا بھی قائم کر دیا۔ جن کا تعلق صرف جائیداد کے تنازعات کے ساتھ ہوتا تھا۔ اور فوجداری (Criminal) کے مقدمات کے ساتھ ان کا کوئی سروکار نہیں ہوتا تھا۔ [42]

---

40 سلطان روم، **ریاست سوات**، ۱۶۸

41 خلیل الرحمن، "**فتاوی ودودیہ کی تخریج وتحقیق**" ایم فل مقالہ، ۱۳

42 سلطان روم، **ریاست سوات**، ۱۶۹

والئی صاحب کے عہد میں ریاست کا انصاف مثالی تھا۔ عدالتی چارہ جوئی (Litigation) کا طریقہ آسان اور فیصلے بہت جلد کئے جاتے تھے۔ عموماً ایک یا دو ساعتوں میں فیصلے سنا دئے جاتے تھے۔ لیکن اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ عدلیہ انتظامیہ کے قبضے میں تھا۔ اوراقربا پروری (Nepotism)، رشوت ستانی (Bribery) وغیرہ نے معاشرے میں اپنی جگہ بنائی تھی۔ اگر چہ حکمران بذات خود رشوت لینے میں ملوث نہیں تھے لیکن پھر بھی ان کے ذاتی اغراض و مقاصد کو مد نظر رکھتے ہوئے ان کے فیصلوں پر مؤثر ہوتے تھے۔ اس وجہ سے بااثر لوگوں کے مقدمات، قتل اور زنا وغیرے کے جرائم کے فیصلے خود حکمران کرتا تھا۔ یہاں تک کہ بعض اوقات قاضیوں کو یہ بتایا جاتا کہ فریقین میں سے کون حکمران یا کسی اور خاص سرکاری افسر کا منظورِ نظر ہے۔

والئی صاحب نے ہر قسم کے جرائم کے لئے شرعی سزاؤں کے بجائے مخصوص جرمانے مقرر کئے تھے۔ جس کا تعین بھی مقامی جرگوں یا حکمران کیا کرتا۔ آپ کے دور حکومت میں بعض جرائم کے جرمانے اس شرح سے وصول کیے جاتے تھے۔

۱۔ ارتکاب زنا: ۵۰۰ روپے (صرف مردوں سے وصول کیا جاتا تھا۔)

۲۔ کسی پر گولی چلانے کا جرمانہ ۲۰۰ روپے۔

۳۔ کسی کے مکان میں نقب زنی ۲۰۰ روپے۔

۴۔ لواطت (Sodomy) ۲۰۰ روپے صرف فاعل سے۔

۵۔ عورت سے چھیڑ چھاڑ (Teasing) کے ۱۰۰ روپے۔

والی صاحب نے یہ فرمان بھی جاری کیا تھا کہ جس نے اپنی بیوی سے ناک کاٹ دی تو اس کو دو ہزار روپیہ جرمانہ یا سات سال کی قید اور اس کے ساتھ بیوی کو طلاق بھی دینا ہو گی۔

اگر چہ والئی صاحب کے حکم ناموں میں یہ موجود ہے کہ قتل کے بدلے میں قاتل کو فوراً قتل کیا جائے گا۔ لیکن یہ قانون بھی عملاً نافذ نہیں تھا۔ جس کا اندازہ اس بیان سے لیا جاسکتا ہے کہ "ریاست سوات میں سالانہ اوسطاً ۲۲ قتل ہوتے تھے۔ ان میں سے آدھے کوہستان میں ہوتے تھے۔ لیکن وہاں کسی ایک مقدمہ میں بھی کسی کو سزائے موت نہیں دی گئی۔ اور ریاست کے دیگر علاقوں میں والئی صاحب کے بیان کے مطابق وہ سال میں صرف دو یا تین

قاتلوں کو گولی مار کر ہلاک کرنے کا حکم دیتے تھے۔" اسی طرح درخواستوں کو نمٹانے کا عمل بھی یکساں (Same) نہیں تھا۔ بلکہ اعلیٰ عہدیداران کے اسٹامپ پیپروں پر بسااوقات درخواستِ رحم کے الفاظ لکھے ہوتے۔[43]

اس قسم کے معاملات سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ والئی صاحب کے عہد میں اگرچہ امن و امان تھا۔ اور بظاہر عدل و انصاف کا بول بالا تھا۔ لیکن حقیقت اس کی بالکل برعکس تھی۔

خاتمہ:

روز اول ہی سے سوات کو قطعات ارض میں بے پناہ اہمیت حاصل ہو چکی ہے اور تاوقت انضمام ایک عظیم تہذیب کا مر کز رہا ہے۔ یہاں پر موجود آثار قدیمہ اس بات پر شاہد ہیں کہ یہ وادی ہر مذہب کے پیروکاروں کے ہاں ایک قیمتی سرمایہ سے کم نہ تھی۔ اسی طرح دنیا کے مشہور جنگجوؤں نے خاص کر برصغیر کے حکمرانوں نے اسے ہر وقت اپنے زیر تسلط کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن یہاں کے باشند گان کی اہلیت وصلاحیت کی وجہ سے ان میں سے اکثر کو ناکامی کا سامنا کرنا پڑا ہے جب کہ بعض عارضی فتح سے ہمکنار ہو چکے ہیں۔

اس خطہ کی اکثریت بدھ مذہب (Buddhism) کی پیروکار تھی۔ گیارھویں صدی میں راجہ گیرا کو سلطان محمود غزنوی نے شکستِ فاش دے دی اور یہاں اسلام کا سورج طلوع ہو گیا۔ آپ کے ساتھ لشکر میں آئے ہوئے دلہ زاک اور سواتی قبائل یہاں آباد ہوئے۔ کچھ عرصے کے بعد ان دونوں کے آپس میں شدید اختلافات کے باعث دلہ زاک یہاں سے چلے گئے اور پھر سولہویں صدی عیسوی میں یوسفزئی یہاں آکر آباد ہوئے اور بتدریج سوات پر قابض ہو کر سواتی قبیلہ کو یہاں سے جلاوطن (Deport) کیا۔ یوسفزئی یہاں کوئی مستحکم ریاست قائم نہ کر سکی۔ ۱۸۴۹ء میں مختلف علاقوں پر انگریزوں کے قبضے نے یہاں کے باشندوں یوسفزئی کو خوف دلایا۔ اس لئے انہوں نے اپنی آزادی کی خاطر ستھانہ سے سید اکبر شاہ کو لاکر اس کو اپنا حکمران بنایا۔ یہ سوات کی تاریخ کا پہلا حکمران تھا۔ آپ نے یہاں کے باشند گان کا غیر منظم طرز زندگی کے ساتھ خوگر ہو جانے کے باوجود ایسا شرعی نظام قائم کیا جس کی وجہ سے کو قوم کے دلوں سکون اور راحت نصیب ہوئی۔ سب لوگ امن و سکون کے ساتھ زندگی گزار رہے تھے کہ ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء کو سید اکبر شاہ نے وفات پائی۔ جس سے سوات میں شرعی نظام کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کے بیٹے نے حکومت سنبھالی۔ جس میں ان کے ساتھ سیدو بابا میاں گل عبد

[43] سلطان روم، **ریاست سوات**، ۱۷۲

الغفور کے بیٹے میاں گل عبد الخالق نے بھی ساتھ دیا۔ لیکن بہت جلد ان کی عدم صلاحیت کی وجہ سے اپنے اختتام تک پہنچ گئی۔[44]

سوات کے حالات بتدریج خراب ہو رہے تھے۔ افراتفری (Chao) کا عالم تھا۔ اس دوران کسی نے بھی سوات کا حکمران بننا گوارہ نہ کیا۔ یہاں تک کہ ۱۹۱۵ء میں سوات کے باشندگان نے سنڈاکئی بابا کے مشورے سے سید عبد الجبار کو حکمران بنایا۔ آپ نے حکمران بنتے ہی بہت سے مسائل کا سامنا کیا۔ جس میں اہم مسئلہ ریاست سوات اور ریاست دیر کے درمیان تعلقات میں تناؤ تھا۔ لیکن آپ چونکہ پہلے ہی سے ریاست دیر کے ساتھ وزارت عظمیٰ کے عہدے پر رہ چکے تھے۔ اسی تجربے کی بنیاد پر آپ نے اپنی حکمرانی قائم کی۔ سب سے پہلے آپ نے فوج کو مرتب کیا اور اس کے ساتھ عشر کا نظام قائم کر کے ریاست کے تمام اخراجات کو اسی مد سے ادا کرنے شروع کر دئے۔ آپ نے بڑی دانشمندی اور تدبر سے حکومت کو شرعی نظام کے تحت چلایا۔ ریاست بھر میں انصاف کا بول بالا تھا۔ ہر کسی کو گھر کی دہلیز پر انصاف مل رہا تھا۔ کہ اچانک آپ کے خلاف سازش کی گئی۔ آپ پر قادیانیت کا الزام لگایا گیا۔ آپ کو ستمبر ۱۹۱۷ء کو جرگہ نے تخت سے ہٹا دیا۔

سید عبد الجبار کی معزولی کے بعد میاں گل عبد الودود حکمران بن گئے۔ آپ نے ریاست سوات کو مستحکم انداز سے چلانا شروع کر دیا۔ ان پڑھ ہونے کے باوجود آپ کی لیاقت اور کارگر اقدامات نے ریاست کو منظم کر کے اس کی توسیع میں اہم کردار ادا کیا۔ آپ نے ریاست کو بہترین انداز میں چلانے کے لئے ایسے قوانین، ضوابط اور فرامین وضع کئے جو انتہائی مؤثر قرار دئے گئے۔ جرائم کے خاتمہ کے لئے مجرم کو حوالہ کرنے یا اس کی نشان دہی کرنے کی اجتماعی ذمہ داری کے طریق کار نے حیرت انگیز کمالات دکھائے۔ جب کہ مجرم کو حوالہ کرنے یا اس کی نشاندہی کی ناکامی کی صورت میں پورے علاقے کو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑتا تھا۔ یہاں تک کہ آپ کی حکمرانی کی ابتدائی دور میں چوروں کو دیکھتے ہی گولی ماردی جاتی تھی۔ ریاست کے انتظام چلانے کے لئے آپ نے ایسے قوانین و فرامین جاری کئے، جو بظاہر شرعی نظام کے موافق تھے۔ عدالتی نظام اسلامی نہیں تھا۔ لیکن عملی طور پر ہر فیصلے کا اختیار حکمران کو ہوتا تھا۔ روایتی قواعد کو ثانوی حیثیت حاصل تھی۔ جب کہ اسلامی قانون ان دونوں کے تابع تھا۔ حکمران اور اس کے قریبی وفاداروں کو ریاست میں جداگانہ حیثیت حاصل تھی۔ حکمران خود بھی روایتی ضوابط اور

---

44 عبد القیوم بلالہ حافظ خیل، **داستان سوات**، ۱۳

شریعت دونوں کے مطابق فیصلہ کرنے کا پابند نہیں تھا۔ وہی خزانہ کا مالک ہوتا تھا۔ اس کی اجازت کے بغیر وزیرِ خزانہ (Finance minister) کو بھی مال لینے کی اجازت نہیں ہوتی تھی۔ تاہم یہ نظام انتہائی مؤثر تھا۔ مقدمات کے فیصلوں میں نہ زیادہ وقت صرف ہوتا تھا اور نہ ہی اس پر پیسہ خرچ ہوتا تھا۔ فیصلوں پر صحیح انداز سے عمل درآمد ہوتا تھا۔ مقدمات کا فیصلہ زیادہ سے زیادہ دوسری ساعت میں ہوتا تھا۔[45] صحت، تعلیم اور مواصلات (Communication) کے شعبے بھی ترقی کی راہ پر گامزن تھے۔ خان اور ملک کو مکمل طور پر ختم نہیں کیا گیا تھا۔ البتہ ان کی پہلے والی حیثیت میں کافی مثبت تبدیلی لائی گئی تھی۔ آپ کی حکمرانی کے دور میں آپ کے بڑے بیٹے میاں گل عبد الحق المعروف بہ والئی سوات نے ولی عہد کی ذمہ داری سنبھالی تھی۔ ۱۲ دسمبر ۱۹۴۹ء کو میاں گل عبد الودود نے حکمرانی کا تاج اپنے اسی بیٹے کے سر پر رکھ کر خود سبکدوش ہو گئے۔

اپنے والد محترم کی سبکدوشی کے دن میاں گل عبد الحق جہانزیب نے حکمرانی کی ذمہ داری سنبھالی۔ انہوں نے ریاست کو بہترین انداز سے چلانے میں اپنے والد پر سبقت حاصل کر لی۔ تعلیم، صحت اور مواصلات کے شعبے وسیع سے وسیع تر کر دئے۔ آپ نے اپنے والد محترم کے کابینہ (Cabinet) کو قائم رکھا۔ لیکن اس میں واضح فرق یہ تھا کہ آپ کے والد کے دور میں آپ کا والد حکمران اور یہ ولی عہد ہوتا تھا۔ جب کہ آپ کے دور میں آپ نے حکمرانی اور وزارت عظمیٰ دونوں کے عہدے اپنے پاس رکھے۔ آپ کی حکمرانی کی ابتدائی دور میں آپ کی پاک دامنی، عدل و انصاف، راست گوئی اور حسن اخلاق کو کافی شہرت مل چکی تھی۔ لیکن رفتہ رفتہ مطلق العنانیت نے آپ میں خود پسندی، تکبر، ظلم اور عیاشی (Luxury) کو فروغ دیا۔ آپ کے مجالس میں جوا، شراب نوشی اور فحاشی کو آزادی حاصل تھی۔[46]

آپ کے دور حکومت میں امن و امان قائم تھا۔ لیکن اسلامی قوانین پر عمل درآمد کے بارے میں آپ نے کوئی کارنامہ سرانجام نہیں دیا، ہر قسم کے جرائم کے لئے والئی سوات نے جرمانے مقرر کر دئے۔ جیسے قتل، مار پیٹ، چوری، زنا وغیرہ اور ان جرمانوں کا تعین مقامی جرگہ یا حکمران کرتا تھا۔ اسلامی قوانین پر عمل درآمد کم ہی کیا جاتا تھا۔ اقربا پروری ور شوت ستانی کے جراثیم اس نظام میں اپنے پنجے گاڑ چکے تھے۔ حکمران اور افسران خود رشوت لینے میں ملوث نہیں تھے لیکن وہ اس سلسلہ میں اپنے مفادات کو مد نظر رکھ کر اس کو نظر انداز کر دیتے تھے۔ بہت سے حکام

---

[45] سلطان روم، **ریاست سوات**، ۲۶۴

[46] سر نزیب خان سواتی، **تاریخ ریاست سوات**، ۱۷۴

ایسے تھے جن کے بارے میں رشوت لینے کے بارے میں شائبہ تک نہ تھا لیکن وہ اپنے ڈلہ کی حمایت کر کے فیصلہ ان کے حق میں کر دیتے تھے۔ وراثت کے بارے میں رواجی قانون نافذ العمل رہا جس کی رو سے عورتوں کو میراث سے محروم رکھا جاتا تھا۔ اس کے باوجود ریاست کو چلانے کے لئے انہوں نے قوانین، ضوابط اور اصول وضع کئے تھے ۔ جس کی وجہ سے یہ ریاست اپنے پڑوس کی ریاستوں سے بہت آگے نکل چکی تھی اور ریاست میں امن و امان کی صورتِ حال مثالی(Ideal) تھی۔ ان لوگوں کے علاوہ جنہوں نے کسی وجہ سے حکمرانوں کو ناراض کر دیا ہو باقی سب لوگ عدم تحفظ کے احساس سے بے خوف ہو کر پُر امن زندگی گزار رہے تھے۔ حکمران ان کے اہلِ خاندان اور قریبی لوگ قانون سے بالاتر سمجھے جاتے تھے۔[47] والئی سوات کے مطلق العنانیت اور عدم انصاف کی وجہ سے اکثر لوگ اس کے مخالف ہو گئے اور نظام کی اصلاح کے لئے آپ کو تجاویز دیدیں۔ لیکن والئی سوات نے بجائے اصلاحِ نظام کے ۱۵ اگست ۱۹٦۹ء ریاستِ سوات کو پاکستان میں مدغم(Merged) کر کے اپنی حکمرانی کا خاتمہ کر دیا۔

[47] سلطانِ روم، **ریاست سوات**، ۲٦٦